حدود اللہ کی حکمت، سامراجی دور میں ان کا خاتمہ اور اب ان کی ضرورت

(جناب حبیب ریحان صاحب ندوی، لکچرار اسلامک انسٹی ٹیوٹ، البیضاء، لیبیا)

اسلامی نظام اور قانون شریعت سارے اسلامی ممالک میں اپنی پوری دفعات کے ساتھ، عبادات واجتماعیات و اخلاقیات سے لے کر قصاص و حدود تک سینکڑوں برس تک جاری رہا۔ پھر اس میں جزوی تبدیلی کی ابتدا سامراج کے زمانے میں سامراجی سازشوں اور مسیحی مشنری حکومتوں کے زیر سایہ ہوئی تھی، اور بدقسمتی سے سب سے پہلے قانونِ حدود ہندوستان میں انگریزوں کے زمانے میں ختم ہوا تھا۔ انگریزی حکومت کے قیام کے بعد بھی ۱۷۹۱ء تک قانونِ شریعت لاگو تھا اور مثال کے طور پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد انگریزوں نے رفتہ رفتہ اور وقتاً فوقتاً وضعی قوانین نافذ کرنے شروع کیے اور انیسویں صدی کے وسط تک قانون شریعت ختم کر دیا گیا۔ مصر میں بھی سامراجی سازشوں سے ۱۸۸۳ء میں قانونی نظام، فرانسیسی قانون کے مطابق ڈھالا گیا۔ بیسویں صدی میں البانیا اور ترکی نے پوری جرأت و بے باکی اور دھاندلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ وہ لادینی حکومتیں ہیں اور سارے قوانین حتیٰ کہ پرسنل لا تک اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے قوانین کے ماتحت بنا دیے گئے۔[1]

مسلم پرسنل لا تبدیلی سے محفوظ رہا

سامراجی دور میں غیر ملکی حکام نے مسلمانوں کے عائلی قوانین کو ہاتھ نہیں لگایا تھا بلکہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق بنائے گئے تھے اور علمائے اسلام کے مشورے سے بنائے گئے تھے، اور

---

[1] مولانا مودودی کی عربی کتاب "نظریۃ الاسلام و ہدیہ" سے ماخوذ باختصار، حاشیہ صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹ - یہ کتاب قانونِ اسلامی سے متعلق مولانا کے ۷ مقالات و لکچرز پر مشتمل ہے، دارالفکر بیروت و دمشق سے چھپی ہے۔

اسی طرح کسی جگہ بھی ان میں تغیر کرنے کی کوئی تحریک نہیں چلائی گئی تھی۔ البانیا اور ٹرکی کے لیے شرم و عار کا مقام تھا کہ جو کام سامراجی اور غیر مسلم حکومتیں نہ کر سکیں دیدہ دلیری کے ساتھ وہ کام انہوں نے انجام دیا۔ ان کے علاوہ دوسرے اسلامی ملکوں میں پرسنل لا کے احکام اسلامی شریعت کے مطابق آج تک نافذ ہیں، گو بعض اوقات ان میں جزوی تبدیلی کی ناکام کوششیں بعض نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں۔ بہرحال یہ ناکام کوششیں، یا کسی مقام پر کوئی جزوی تبدیلی بھی مسلم ممالک کے لیے شرم و عار کا سامان ہے کہ یہ وہ کام ہے جس کی جرأت سامراج بھی نہ کر سکا تھا۔ اس قسم کی ساری کوششیں غیر عقلی، غیر فطری، غیر آئینی اور غیر شرعی ہیں جو نہ خود صحیح ہو سکتی ہیں، نہ کسی دوسرے کے لیے حجت بن سکتی ہیں[۵]۔ اور ان کا انجام یہ ہے کہ وہ عنقریب ناکامی ہی کے ساتھ ختم ہو جائیں گی۔

عظیم سامراجی سازش اور اس کا مقصد جیسا کہ بیان کر چکا، اسلامی قانون (پرسنل لا کو چھوڑ کر) کا خاتمہ اسلامی ممالک میں مشنری اداروں اور حکومتوں کے زیر سایہ ہوا تھا، جب سامراجی ریشہ دوانیاں عروج پر تھیں۔ لیکن سیاسی طور پر، اور بین الاقوامی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب، اور فطرت کے قانونِ اقتدار و عروج و زوال کے پیش نظر جب مغربی حکمرانوں کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں ان کو اسلامی ملکوں سے واپس نہ جانا پڑے تو انہوں نے اپنے فکری سامراج کو تادیر باقی رکھنے کے قدیم منصوبہ میں از سر نو جان ڈال دی۔ وہ اسلام کی دوبارہ زندہ ہو کر پوری توانائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ ساری دنیا پر پھر سے چھا جانے کی فطری صلاحیت کے خلاف زبردست بند باندھنا چاہتے تھے، اور "ایوان کسریٰ" سے زیادہ پرشکوہ پایۂ تخت اور "فصیل قسطنطنیہ" سے زیادہ مضبوط ڈیفنس پوزیشن بنانا چاہتے تھے۔

اس کے پیش نظر سامراجی حکمرانوں نے بڑی طویل اسکیم اور کاوش کے ذریعے انتہائی چابک دستی اور کونین میں شکر لپیٹنے والی پالیسی کے ساتھ اسلامی افکار کو بدلنے کا پلان بنایا۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم اور عدالتوں اور تمام زندگی کے شعبوں میں لادینی نظام کی سرپرستی کی۔ لیکن ساتھ ہی مشنری انداز کو بھی ہاتھ

[۵] یہ کیوں غیر قانونی ہیں اور کسی کے لیے بھی حجت نہیں بن سکتیں، اس کی تفصیل راقم نے ایک مضمون میں کی ہے جس کا عنوان ہے "مسلم پرسنل لا سے متعلق دو سوالوں کے جوابات" جو ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔

سے جانے نہیں دیا۔ یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور تھوڑی ہی مدت میں ایسے ہونہار اور فاضل سپوت پیدا ہو گئے جن کے نام ضرور اسلامی تھے لیکن انہوں نے اسلامی قانون اور نظام کے خلاف وہ کام سرانجام دیے جو غیر مسلم بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اس سلسلے میں اسلامی عقائد میں تشکیک، مسلّم الثبوت نظریات میں اشتباہ، اسلام کے قانون فوجداری پر ظلم کا اعتراض، قانون حدود پر وحشیت اور بربریت کا الزام اور عائلی قوانین پر رجعیت کا فتویٰ وغیرہ جیسی تمام غیر علمی کوششیں علم اور ریسرچ کے نام پر شامل ہیں۔ ان ساری سامراجی کوششوں کے پیچھے جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ لادینیت کا جذبہ نہ تھا بلکہ وہ صلیبیت تھی جس نے دوسرا رنگ اختیار کرنا چاہا تھا اور وہ علمی روپ میں نمودار ہوئی تھی۔ یہودی و مسیحی اختلافات کے باوجود یہودیت اور صہیونیت نے بھی مسیحیت کے دوش بدوش اسلامی ریسرچ کے نام پر اسلامی تعلیمات کو غبار آلود بنانے کی ہر ممکن سعی کی۔ ان تمام مساعی کا مقصد یہی تھا کہ مسلمان اپنے دین اور اقدار و افکار و عقائد و نظریات کے بارے میں مشکوک ہو جائیں اور اس طرح شاید وہ مسیحیت کے پنجہ میں گرفتار ہو جائیں۔ یہ خواہش کوئی نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے۔ حضور نامدار ﷺ سے خطاب الٰہی یوں ہے:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی — ہرگز تم سے راضی نہیں ہو سکتے یہود اور نصاریٰ
حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ — یہاں تک کہ تم ان کی ملت کی پیروی کرو۔

اس کے جواب میں ذات باری تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہدایت تو صرف اسلام کے زیر سایہ ہے، اور رحمت الٰہی اور خدا کی بخشی ہوئی نبوت و عصمت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا ناممکن ہے۔ لیکن فرض کرو کہ رسول بھی اگر ہدایت الٰہی اور اسلام کی دولت سے معمور ہونے کے بعد یہود و نصاریٰ کی تحریفات و اہواء کا متبع ہو جائے تو دنیا میں بے یار و مددگار اور آخرت میں نامراد ہو جائے گا۔ اس صورت میں اے اہل اسلام خوب کان کھول کر سن لو کہ سامراجی، صلیبی، مشنری، صہیونی، اور اسی طرح سے وہ جو شرک کی جاہلیت میں مبتلا ہیں، یعنی سورج پرست، ستارہ پرست، پتھر پرست، نیچر پرست، عقل پرست، اور اسی طرح وہ جو کسی چیز کی پرستش کو بھی صحیح نہیں مانتے، غرض تمام طاغوتی اور باطل تنظیموں کی متحدہ خواہش اور متحدہ کوششیں یہی ہیں کہ اسلام کے چراغ کو گل کر دیا جائے۔ وہ اپنے تمام آپس کے شدید اختلافات کو بھلا کر اسلامی عداوت کے اصول پر متحد ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمان کے لیے کسی صورت میں بھی ان خواہشاتِ باطلہ اور اہوائے طاغوتیہ کی پیروی کرنے کی اجازت نہیں۔ اس کو اس کی ممانعت اور ساتھ ہی اَحقّیّتِ اسلام کا بیان اسی آیت پاک میں دیا گیا ہے:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۔ (بقرہ - ۱۲۰)	کہہ دو بیشک اللہ کی ہدایت وہ ہدایت کی راہ (اسلام) ہے، اور (فرض کرو کہ تم) اگر ان کی خواہشات کی پیروی کرو اس کے بعد جو تمہارے پاس علم (وحی اور اسلام) آچکا ہے، تو نہ ہو گا تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار۔

اس آیت کی مختصر تشریح یہاں اس آیت کی مختصر تشریح ضروری ہے، رسولِ خدا ساری انسانیت کو ہدایتِ خداوندی سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ آپ کا منصبِ تبلیغ وختمِ نبوت و رسالت بھی اس کا مقتضی تھا۔ کفارِ قریش اور یہود و نصاریٰ سب کے لیے آپ کی عالمی دعوت و ہدایت کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہود و نصاریٰ کا پندار یہ تھا کہ ہر گروہ اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا اور محبوب کہتا تھا اور جنت کا اکیلا مستحق۔ اس کا جواب اللہ نے بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ (بقرہ - ۱۱۲) میں یہ دیا کہ جو اللہ کی کلی رضا کا تابع و طالب ہوا وہ جنت کا مستحق ہو گا۔ پھر حضور انور اور آپ کی امت کو ایک خاص بات یہ بتائی مقصود ہے کہ ہدایتِ الٰہی اور حق کی تلاش کرنے والا یہود و نصاریٰ کا وہ گروہ جو اخلاص و صداقت کے ساتھ کتبِ الٰہیہ کا مطالعہ کرتا ہے وہ حضورؐ سے متعلق پیشینگوئیوں اور اسلام کی صداقت و حقانیت پر ایمان لے آتا ہے (بقرہ - ۱۲۱)۔ لیکن عامۃ الیہود والنصاریٰ کا شعار یہ ہے کہ وہ آپ کے دین میں داخل ہونے کے بجائے الٹے آپ کو اپنی اہواء یعنی یہودیت و نصرانیت کی محرّف اور بگڑی ہوئی شکل میں داخل کرنے کے درپے رہتے ہیں، اور جن اشیاء کو منسوخ کرنے آپ آئے تھے اُنہی کی طرف آپ کو بلانے لگتے ہیں، اور یہودیت و نصرانیت کیونکہ دو متضاد، مختلف اور محرّف دین ہیں، اس لیے دونوں گروہ اپنی اپنی خواہشات کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن آپ عقلاً بیک وقت یہودی اور نصرانی ہو ہی نہیں سکتے، اور اس لیے یہ دونوں گروہ آپ سے کسی طرح راضی نہیں ہو سکتے۔ رہا شرعاً، تو چونکہ آپؐ کو رحمتِ الٰہی رسالت و نبوت کی شکل میں، اور فضلِ الٰہی وحی اور قرآن کی شکل میں، اور نعمتِ الٰہی عصمت و طہارت کی شکل میں ملی ہوئی ہے، اس لیے آپ ان کی اہواء و خواہشات کی پیروی بھی نہیں کر سکتے۔

ھُدیٰ کا مطلب ھُدیٰ سے مراد اسلام تمام مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ یہود و نصاریٰ کی اہواء اور ملت کے مقابلے میں جس ہدایتِ الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جس حصر کے

ساتھ اور دوسرے الف لام کے ساتھ اسے بیان کیا گیا ہے اس سے واضح طور پر اسلام ہی مراد ہے کہ وہی کلی ہدایت کی راہ ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ جس کی طرف یہ لوگ آپ کو بلاتے ہیں وہ ہدیٰ نہیں بلکہ ہویٰ کی راہ ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (قصص۔ ۵۰)۔ صرف مفسر طبری نے ہدیٰ کا مفہوم اس طرح لکھا ہے

"بیشک اللہ کا بیان ہی نافع کرنے والا ہے، اور فیصلہ کن ہے ہمارے درمیان، یس اللہ کی کتاب اور اس کے بیان کی طرف، جس میں اس نے بندوں کے لیے مختلف فیہ چیزیں بیان کر دی ہیں، اور وہ توراۃ ہے جس کے تم سب مُقر ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، اس میں تمہارے لیے واضح ہو جائے گا کہ ہم میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون، اور کون جنت والا ہے اور کون دوزخ والا، اور کون صحیح راہ پر ہے اور کون غلطی پر؟ اور بیشک اللہ نے اپنے نبیؐ کو یہ حکم دیا کہ ان کو ہدایت و بیان الٰہی کی طرف بلائیں، کیونکہ اس میں یہود و نصاریٰ کی تکذیب تھی اُس قول میں جو انہوں نے کہا تھا کہ یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے کا بیان تھا، اور یہ کہ اس کو جھٹلانے والا آگ کا مستحق ہے نہ کہ اس کی تصدیق کرنے والا۔"

طبری کا یہ قول اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ غیر محرّف اور منزل من اللہ توراۃ ہدایت کی کتاب تھی، لیکن مذکورۂ بالا آیت کی تفسیر و تشریح کے اعتبار سے یہ قول مرجوح ہے۔ طبری کا یہ استدلال کہ یہود و نصاریٰ کے قول لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى کا یہاں جواب ہے قرینِ قیاس نہیں۔ کیونکہ اس کا جواب خدائے پاک نے فوراً ہی اس آیت کے بعد اس طرح دے دیا تھا،

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (بقرہ۔ ۱۱۱-۱۱۲)۔

دوسری بات یہ کہ جس ہدایت الٰہی کا تذکرہ اس آیت میں ہے اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو حضورؐ کو دی گئی تھی اور آپ کے پاس موجود تھی اور وہ قرآن و اسلام ہے، کیونکہ غیر محرّف توراۃ کا کوئی نسخہ حضورؐ کے پاس موجود نہ تھا بلکہ آپ کی شریعت ساری شریعتوں کی ناسخ بن کر آئی تھی۔

تیسری بات یہ کہ آیت کے آخر میں جس علم الٰہی کے حضورؐ کے پاس آجانے کا تذکرہ ہے اس سے مراد قرآن پاک، وحی اور اسلام ہی ہے۔ لیکن طبری کے قول سے بھی اہل اہوا کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ان پر مزید حجت قائم

ہوتی ہے اور یہ حجت قرآن نے بار بار دوسری آیات میں قائم کی ہے اور اہل کتاب کو توراۃ کی تحکیم کی دعوت دی ہے۔
تاہم آیت کے صاف اور راجح معنی وہی ہیں جو تمام مفسرین نے اختیار کیے ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں "خدا کی ہدایت جو اسلام ہے وہی اصل ہدایت ہے۔"

صاحب بحر المحیط ابن حیان اندلسی لکھتے ہیں "اللہ کی ہدایت، یعنی وہ ہدایت جس کی اضافت (نسبت) اللہ کی طرف ہے، وہ وہ اسلام ہے جس پر آپ ہیں، وہی اصل اور مکمل نفع پہنچانے والی ہدایت ہے جس کے علاوہ کوئی ہدایت نہیں"

مفسر رازی کا بیان ہے "بیشک اللہ کی ہدایت وہی ہے جو اسلام کی طرف ہدایت کرتی ہے اور وہی حقیقتاً وہ ہدایت ہے جس کو ہدایت کہا جا سکتا ہے۔"

ابوالسعود کہتے ہیں "بیشک خدا کی ہدایت جو اسلام ہے وہی حق ہے۔"

ابن کثیر کا قول ہے "کہہ دیں اے محمدؐ بیشک وہ اللہ کی ہدایت جو دے کر اس نے مجھے بھیجا ہے وہی حقیقی ہدایت ہے، یعنی مستقیم، کامل صحیح اور ہر خیر پر شامل ہے۔"

علامہ ابوعبداللہ القرطبی کا ارشاد ہے "جس ہدایت حقہ پر اللہ کی طرف سے تم ہو اے محمدؐ، جس کو اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے، وہی حقیقی ہدایت ہے نہ کہ وہ جس کی طرف یہ لوگ بلاتے ہیں۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور یہ جو فرمایا کہ "بالفرض تم ان کی اھواء کی پیروی کرو"، اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کا خطاب کبھی حضورؐ سے ہوتا ہے لیکن مرادیں کئی مفہوم ہوتے ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی ہے اور تین توجیہیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ خطاب آپ سے ہے لیکن امت کو تنبیہ کرنی مقصود ہے۔ دوسری یہ کہ خطاب ہی امت سے ہے۔ تیسری یہ کہ اسلام اور ہدایت الٰہی کی عظمت بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا، کیونکہ حضورؐ کا ان کی پیروی کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ مستحیل ہے۔ لیکن بفرض محال ایسا ہو جائے تو ولایت و نصرت سے محرومی ہو جائے۔ لیکن چونکہ رسولؐ کے لیے یہ عقلاً و شرعاً مستبعد و مستحیل ہے اس لیے امت کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں وہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ ان تینوں معانی کی مختصر سند صرف تین مفسرین کرام کے اقوال سے پیش کرتا ہوں۔

ابن حیان لکھتے ہیں "ظاہر یہی ہے کہ لن ترضی میں خطاب حضورؐ سے ہے، آپ سے ان کی رضامندی ایک ایسے معاملے پر معلق کی گئی ہے جس کا واقع ہونا آپ سے مستحیل ہے، یعنی ان کی ملت کا اتباع، اور مستحیل چیز پر جو چیز معلق کی جائے وہ بھی مستحیل ہوتی ہے"۔ محمود آلوسی قول الٰہی " مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ " کی تفسیر میں رقم طراز ہیں "خطاب رسول خداؐ کی طرف ہے اور شرط کو مقید یہ ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا کہ ان کی خواہشات کی

پیروی آپ کے لیے محال تھی، کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس کی صحت کا علم (قطعی) ہے، پس اگر بالفرض یہ واقع ہو جائے جیسے کہ مستحیل مفروضہ واقع ہو جائے تو کوئی ولی اور نصیر نہ ہوگا" ابن کثیر کا قول ہے" اس میں سخت تہدید اور شدید وعید ہے امت کے لیے کہ یہود و نصاریٰ کے طریقوں کی پیروی کریں قرآن و سنت کا علم جاننے کے بعد، اللہ اس بات سے پناہ میں رکھے، یہ خطاب اس طرح رسولؐ کو ہے لیکن حکم امت کو ہے۔"

علم سے مراد وحی، اسلام اور قرآن مفسرین نے بیان کیے ہیں، اور سب در اصل ایک ہی معنی میں ہیں، امام احمد بن حنبلؒ نے قرآن کو مخلوق کہنے والے کے حق میں کفر کا فتویٰ اسی آیت سے دیا تھا، فرمایا تھا " قرآن علم الٰہی ہے مخلوق نہیں"، (تفسیر قرطبی)۔

اسلام ہی وہ ہدایت ہے جس سے دشمن مسلمانوں کو ہٹانا چاہتے ہیں

اس آیت کی مختصر تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام ہی راہ ہدایت ہے اور قیامت تک ساری انسانیت اس کے دامن میں سکون پا سکتی ہے، اور جو اہل کتاب حق و انصاف کے طریقوں پر سوچتے ہیں، ہدایت دل کے بند دروازوں کو ان کے لیے دستک دیتی ہے اور وہ اسلام کے نور سے منور ہو جاتے ہیں، اور اہل کتاب میں سے جو بھی اس دائمی نور ہدایت کو قبول کرتا ہے اس کی جھولی رحمت و مرحمت کے دو خزانوں سے بھرپور طور پر معمور ہو جاتی ہے۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ - لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ - (حدید - ۲۸ - ۲۹)	اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تو دے گا تم کو رحمت کے دو حصے اور تمہارے لیے روشنی بنا دے گا کہ اس پر تم چلو، اور تمہیں بخش دے گا، اللہ غفور و رحیم ہے، تاکہ اہل کتاب پر نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کا فضل حاصل کرنے پر قادر ہی نہیں ہیں۔

اور جو بھی کتاب کو حق تلاوت ادا کر کے پڑھے گا اور تعصب سے دور ہو کر سوچے گا اس پر حق واضح ہو جائیگا۔ چنانچہ فرمایا يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (بقرہ - ۱۲۱) - اور وہ زندگی کے اندھیروں والی راہوں کو چھوڑ کر شش بہت روشنی والی مستقیم شاہراہ پر چل کھڑا ہوگا- لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ خالق دو عالم نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو جس عظیم خطرے سے پہلے دن سے واقف بنایا تھا وہ اپنی نادانی اور لاپرواہی کی وجہ سے اس کو بھول گئے، اور یہود و نصاریٰ کی بین الاقوامی سازشوں اور مکر و فریب نے سامراجی دور میں اور اس کے بعد بھی اسلامی

شریعت، اسلامی حکومت اور اسلامی نظام حیات پر نت نئے ناموں سے اعتراض کیے، انہوں نے نئے نئے نعرے ایجاد کیے، ذہن، زبان، ترقی و تمدن، ریسرچ وغیرہ۔ لیکن ان سب کے پیچھے جو جذبہ کام کر رہا تھا اور کام کر رہا ہے وہ اسلام دشمنی ہے، اور دو ہزار سالہ اختلافات اور عظیم اختلافات جن کی رو سے حضرت مریمؑ و عیسیٰؑ پر فحش بہتان تک یہود لگاتے ہیں، اس کے باوجود وہ پوپ کی طرف سے تکریم کے مستحق ہیں اور بڑی حکومتوں کی طرف سے نوازشات کے قابل، اور ان کے تمام اختلافات اسلام دشمنی کے متحدہ محاذ پر ختم ہو گئے ہیں اور نام بدل بدل کر ان کی جو اسکیمیں اور پلان ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ اس عالمی دعوت الٰہی کو مسلمان چھوڑ دے اور اسلام سے دستبردار ہو کر یہودیت یا نصرانیت قبول کر لے۔

علماء و مفکرین اسلام کا جہاد اور اس کے اثرات | ہوائے باطلہ نہ سننے اور تحکیم کتاب کے مطالبے کو منوانے کے لیے سامراجی دور ہی سے اہل علم و فکر نے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ سامراج کے خاتمہ کے بعد بھی مشکلات کے زیر سایہ بلکہ یوں کہیے کہ زندان و سلاسل کے اندر اور تلواروں اور پھانسیوں کی چھاؤں میں شریعت اسلامیہ، قانونِ اسلامی، خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر حکومت کی بنیاد قائم کرنے کا پودا سیراب ہوتا رہا اور الحمد للہ بہت جلد وہ وقت آگیا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان، اسلامی قانون اور اسلامی نظام حیات کو دوبارہ نافذ اور جاری کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ جنوب شرق ایشیا سے لے کر شمال افریقہ تک زندگی کی ایک نئی لہر نمودار ہے اور جذب و شوق میں ڈوبی ہوئی اسلامی اقدار کی محافظ فوج ظفر موج، علم و عمل، زبان و قلم اور قانون کے ذریعے اتر آئی ہے، اور محض اللہ کے فضل و کرم اور مخلصین و مومنین و مفکرین کے مسلسل اور منظم اور تعمیری جہاد بالقلم والنفس کی وجہ سے، اور عامۃ المسلمین میں بحمدہ تعالیٰ دینی بیداری کے سبب سے آج یہ افکار اہل حکومت و قانون تک پہنچ گئے ہیں اور ایک نئی سحر نمودار ہونے کے لیے بطن گیتی میں کروٹیں لے رہی ہے۔ اس سلسلے کی ایک عظیم کوشش لیبیا کی عظیم قوم بھی اپنی نوجوان مسلم قیادت کے زیر اثر کر رہی ہے، (اس کی کچھ تفصیلات آگے بیان کی جائیں گی)۔

اسلامی اقدار کے احیاء میں دینی مدارس کا کردار | اسلامی اقدار کی بیداری اور اس نئے عزم کے سلسلے میں یہ حقیقت بیان کرنی ضروری ہے کہ جس طرح اسلامی تفکیرات نے جوش اور اسلام کے لیے اخلاص پیدا کیا اسی طرح دینی اداروں اور تعلیم گاہوں نے اور خصوصیت کے ساتھ جامعہ ازہر نے اس سلسلے میں ایک تاریخی کام کیا ہے۔ وہ یہ کہ سامراج کے دور میں بار بار دینی تعلیم کو ختم کرنے یا بے اثر کرنے کی تحریکیں تجدید وغیرہ کے نام پر اٹھیں، اور یہ اعتراض بھی

اکثر مسلمانوں کے ذہن میں آنے لگے کہ فقہ اسلامی کے وہ ابواب جن پر آج عمل نہیں ہو رہا ہے، جیسے کتاب البیوع، کتاب العتق، کتاب الحدود وغیرہ، وہ کیوں پڑھائے جاتے ہیں؟ اگر بات صرف اتنی ہوتی اور اخلاص کے ساتھ ہوتی کہ دینی تعلیم کے اسلوب کو بدلا جائے اور زمانہ سے جتنا ممکن ہو ہم آہنگ کیا جائے، تحقیق اور بحث کا دروازہ کھولا جائے تقابلِ ادیان اور زندہ زبانوں کی تعلیم دی جائے، اجتہاد کی کوشش کی جائے (عوام کے لیے تو تقلید ضروری ہے) لیکن مجتہد کے شرائط اہل علم میں پیدا کیے جائیں تاکہ وہ مسائل حاضرہ کے اسلامی حل کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اجتہاد کے ذریعے کریں (جامعہ ازہر نے ان میں سے اکثر مطالبوں کو پورا بھی کیا ہے) تو یہ مطالبے نہ صرف یہ کہ اُس وقت ضروری تھے بلکہ اب بھی برصغیر کے دینی مدارس کے فرسودہ نظام تعلیم و تربیت و نصاب اور طرز طریقوں میں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ اگر اخلاص کے ساتھ، انانیت اور خود پسندی کے جذبات غیر اسلامی کو پس پشت ڈال کر یہ کام علماء مفکرین اسلام، اسلامی خطوط پر کریں تو بہت آسانی سے دینی تعلیم کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور مسلمانوں کی دینی و فکری ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ جگہ جگہ دینی مدرسوں اور مختلف نصابوں کے بجائے ایک ہی متحد نصاب کے ماتحت دینی تعلیم پروان چڑھ سکتی ہے۔ اس کا انتظام و انصرام کسی فردِ واحد کے ہاتھ میں نہ ہو کہ فرد واحد اگرچہ عالم و فاضل اور صوفی و بزرگ ہو اس میں مطلق العنانی اور ڈکٹیٹری کی خواہشِ نفس ابھرنے کے قوی امکانات موجود رہتے ہیں، بلکہ بین الملکی علماء کی ایک مجلس ہو جو ملک کے سارے دینی مدارس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرے۔ یہ مجلس مخلص ہو، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتی ہو، حق کی گواہ ہو اور اس بات کی نگہداشت کرے کہ کوئی مدرسہ اپنے اصولوں سے منحرف نہ ہو، اور افراد کی دوستی، شہرت اور پروپیگنڈہ اس مجلس کے لیے معیار نہ ہو بلکہ میزان حق ہو۔ اس طرح دینی مدارس ایک عظیم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ (بہرحال دینی تعلیم اور دینی مدارس کی اصلاح کا موضوع بہت طویل ہے کسی دوسرے موقع پر ہی اسے چھیڑا جا سکتا ہے)۔ بات یہ چل رہی تھی کہ اصلاح کا مطالبہ تو صحیح ہو سکتا تھا، لیکن یہ بات بالکل غلط تھی کہ اسلامی تعلیمات کے اصولی اور کلی اجزاء اس لیے چھوڑ دیے جائیں کہ ملک میں رائج نہیں ہیں اور کتاب الٰہی کے وہ فقہی احکام جن کا رواج و نفاذ سامراج نے ختم کیا تھا اسلامی مدرسے اس کی تعلیم بھی ختم کر دیتے۔ یہ مطالبے نہیں مانے گئے اور نہ ان اعتراضات کی پروا کی گئی۔ دنیا جہان کے دینی مدارس کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے فقہ اسلامی و شریعت اسلامیہ کے وہ ابواب اور مسائل بھی ہمیشہ پڑھائے جو وقتی طور پر نافذ نہ تھے لیکن جن کے نافذ ہونے کی مستقبل میں امید تھی اور جن کے پڑھائے بغیر شریعت کاملہ کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی، خصوصیت کے

ساتھ جامعہ ازہر نے ہمیشہ مذاہب اربعہ کی فقہ تحقیق و تفصیل کے ساتھ پڑھائی، تعصب اور نالائق کو زبردستی ٹھونسنے کی ضرورت اس لیے پیش نہ آئی کہ ایک ہی جگہ پر الگ الگ ہر مذہب فقہ کے طالب علم کے لیے اس کی فقہ پڑھنی ممکن ہے۔ دوسرے مذاہب کے مراجع اور علماء اسے دستیاب ہو سکتے ہیں اور مقارنہ و موازنہ کے ساتھ استنتاج و استنباط کی صلاحیت اس میں پیدا ہو سکتی ہے تو پھر اسے تعصب کی کیا ضرورت ہے؟ بہرحال ان مذاہب اربعہ کی تعلیم اور موازنے کے باب میں دوسرے اقوال فقہیہ کی بھی تعلیم جامعہ ازہر کا کارنامہ تھا اور ہے، ان فقہ اسلامی کے مذاہب اور غیر ملک میں غیر موجود و غیر معمول ابواب فقہ کی تعلیم اور مشق سے یہ ہوا کہ جوں ہی اسلامی نظام زندگی اور اسلامی قانون کی گفتگو ہوئی ایسا محسوس ہوا کہ مصر میں (جسے بعض علم سے ناآشنا اور خود فریبی میں مبتلا حضرات علم و تحقیق سے عاری ثابت کرنا چاہتے ہیں) علمی و تحقیقی کارنامے بجائے خود ان حضرات کا جواب پیش کرتے ہیں۔ ہزاروں اسلامی قانون کے ماہر پیدا ہو گئے۔ ازہری علمائے کرام نے قدیم علم کتاب و سنت و مذاہب فقہ کو پیش کیا، اور فقہ اربعہ سے مکمل واقفیت سے قبل کوئی شخص قانون اسلامی کے ماہر ہونے کا دعوی اگر کرے تو یہ دعوی کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ پھر اسلامی تفکیر کے زیر سایہ ججوں، وکیلوں، اور قانون دان حضرات نے اسلامی قوانین کا موازنہ عالمی قوانین سے کیا۔ اب پلک جھپکنے میں اسلامی قانون عالم وجود میں آ سکتا ہے۔ اگر فقہ اسلامی کی تعلیمات گذشتہ دو سو برس میں کسی ایک مذہب فقہی کی باقی رہ جاتیں یا صرف عبادات وغیرہ تک محدود کر دی جاتیں تو فقہ اسلامی میں جمود آ جاتا اور ان موضوعات سے متعلق جو اسلامی ملکوں میں رائج نہیں تھے، نہ کتابیں چھپتیں نہ تحقیقات ہوتیں اور نہ وقت پڑنے پر پورے عالم اسلامی میں علماء و مفکرین فوج در فوج اس کام کے لیے نکل آتے اس لیے کہ گو اسلامی ملکوں اور قانونوں میں اگرچہ یہ چیزیں موجود نہیں تھیں لیکن اہل علم و ایمان کے سینوں اور سفینوں میں یہ دولت پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ تھی۔

اسلام ایک کلی نظام حیات اور مکمل لائحہ عمل ہے

در اصل اسلام ایک مکمل اور ابدی دین ہے اور انسانی حیات سے متعلق سارے شعبوں میں اس کی تعلیمات ایک فعال اور قوی اثر رکھتی ہیں۔ جس طرح اسلام انسان کو زندگی اور موت کی تمام حقیقتوں سے باخبر بناتا ہے بالکل اسی طرح وہ انسانوں کو عبادات و اخلاق سے لے کر معاملات و اجتماعیات تک میں احکام بھی عطا کرتا ہے۔

اسلام ایک کُل ہے۔ اس کی پیروی جزوی طور پر مجبوری کے حالات میں تو کی جا سکتی ہے، لیکن اس کو پوری طرح بروئے کار لانے کی کوشش جو کر سکتا ہو اور نہ کرے تو یہ ایک گناہ بھی ہے اور محرومی بھی۔ اسلام صرف عبادات کا

مذہب نہیں ہے اور نہ اسلام انسان کی ذاتی اور پرائیویٹ زندگی کا مسئلہ ہے، بلکہ اسلام کے احکام ایک مسلمان کے پورے کاروانِ حیات کو ساحلِ مراد سے ہم کنار کرتے ہیں۔

اسلام دنیا و آخرت، عبادات و اجتماع اور حکومت و قانون سب کا دین ہے اور ہر مسئلہ کا حل قیامت تک اس کی تعلیمات میں مل سکتا ہے۔ اسلام نے جس طرح نماز، روزہ اور حج کے مسائل بیان کیے ہیں جو انسان کی ذاتی اصلاح اور تقویٰ میں مفید ہیں اور بندے کو اپنے آقا اور خالق و مالک کے دربار تک پہنچاتے ہیں، بالکل اسی طرح زکوٰۃ کے احکام کی تفصیلات، صدقہ، ہبہ، اور خیر خیرات کے سارے طریقوں کو واضح کیا ہے تاکہ اسلامی سوسائٹی ایک جسم بن کر رہے۔ اور امیر و غریب کے درمیان وہ تفاوت اور نفرت پیدا نہ ہو جو غیر اسلامی سوسائٹیوں کا شعار ہے۔ اسلام نے اسی طرح سود، جوا، سٹے بازی، رشوت، اشیاء خوردنی میں بلیک مارکیٹ یا ذخیرہ اندوزی اور اس قبیل کی وہ ساری چیزیں منع کر دیں جن سے اقتصادی عالمی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اسلام کا نظامِ اخلاق تاریخِ عالم کا مجرب اور بہترین نظامِ اخلاق ہے۔ اسلام نے چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ، تہمت، قتل، تمام نشہ آور اشیاء اور ہر مخربِ اخلاق چیز پر پابندی لگا دی، اور اصلاحِ قلب و نظر کے وہ تربیتی طریقے اختیار کیے جن سے قلب و نظر اور عقل و ضمیر کو آسودگی حاصل ہو اور سوسائٹی میں جرم کم سے کمتر ہوں۔

ان تمام اصلاحی تدابیر اور اخلاقی وعظ و نصیحت، اور قلب و نظر کو اپیل کرنے والی تعلیمات کے باوجود بھی جہاں انسان موجود ہیں وہاں گناہ ممکن ہے۔ وہاں جرم ہو سکتے ہیں۔ غیر اسلامی قانون کی تاریخ شاہد ہے کہ جوں جوں نئے سے نئے اور سخت سے سخت قوانین نکالتے ہیں اسی رفتار سے جرائم کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے، مجرموں کی پشت پناہی کرنے کا مرض بھی عام ہوتا جاتا ہے، تمام قانونی و اخلاقی ادارے اپنی ہار مان کر بیٹھ جاتے ہیں اور جرم کی رفتار برق کی رفتار کی طرح بڑھتی جاتی ہے۔ جرموں کی سالانہ عالمی رپورٹوں کی ایک جھلک دیکھ کر ہر پڑھا لکھا شخص یہ معلوم کر سکتا ہے کہ جرم کی رفتار، تعداد، نوعیت اور نت نئی اقسام میں کس طرح دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی جاتی ہے، اور جو ملک جتنا زیادہ ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، اور متمول و غنی ہے، سعادتِ قلب اور سکونِ حیات سے اسی کے بقدر دور ہے اور اخلاقی مشاکل اور جرموں کی کثرت و جدت کے سامنے بے دست و پا ہے۔ (باقی)